درس ختم بخاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ. وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَافَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا، وَّدَاعِيًا اِلَيْهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا. اَمَّا بَعْدُ!

ثمرات ختم بخاری...... بزرگان محترم و برادران عزیز طلباء! جہاں تک ختم بخاری کا تعلق تھا، وہ ہو گیا اور اس کا حق بھی ادا ہو گیا آخری حدیث پڑھی گئی اور دعا بھی ہو گئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے اپنی (جامع) بخاری کی نسبت فرمایا: "جَعَلْتُهٗ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اللّٰهِ حُجَّةً" "میں نے اس کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بنایا ہے"۔ اس کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ ختم بخاری کے بعد جو دعائیں مانگی جاتی ہیں تو تجربہ بھی شاہد ہے، امت کا عمل بھی ہے کہ وہ دعائیں قبول ہوتی ہیں، اس لئے عام علماء میں یہ دستور رہا ہے کہ جب بخاری ختم کرنی ہوتی ہے تو مجمع ہو جاتا ہے، اجتماعاً دعا کر کے ختم کرتے ہیں۔ اب یہ سسٹم اور بڑھ گیا ہے کہ باہر سے بھی لوگ بلائے جانے لگے ہیں، لیکن ہم لوگ طالب علمی کے زمانے میں دیکھتے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت اقدس مولانا انور شاہ صاحبؒ جب بخاری ختم کراتے تھے تو باہر سے کسی کو نہیں بلایا جاتا تھا۔ لیکن دار العلوم کے اساتذہ، طلبہ، منتظمین سب جمع ہو کر ختم بخاری میں شریک ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ اب تک بھی جاری ہے کہ جب بخاری ختم ہوتی ہے تو دار العلوم کے لوگ اور شہر کے لوگ بھی اطلاع پانے پر آ جاتے ہیں۔ اور دعا میں شریک ہوتے ہیں۔

بہر حال ختم بخاری پر دعا کا معمول رہا ہے۔ ایک تو درساً درساً ختم ہوا اس وقت تو ختم بخاری ہوتی ہی ہے۔ دعا بھی کرتے ہیں۔ ویسے بھی اگر کوئی مہم پیش آ جاتی ہے۔ خدانخواستہ مسلمانوں کو کوئی آفت پیش آئی یا کوئی مقصد کسی نے لکھ کر بھیجا اور چند مقاصد جمع ہو گئے، تو اس کے لئے بخاری کا ختم کرائے جانے کا مدارس میں اور دار العلوم میں بھی معمول ہے۔ متعدد مقاصد و درخواستیں جمع ہو جائیں تو ایک دن اساتذہ اور طلباء جمع ہو کر ختم کرتے ہیں اور دعاء مانگتے ہیں اور اس کے اثرات بھی دیکھے گئے ہیں کہ حق تعالیٰ (دعا) قبول فرماتے ہیں۔

تقدیس بخاری...... امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب مقدس کو اپنے اور اللہ کے درمیان میں حجت ٹھہرایا،

اور حجت ہونی بھی چاہئے۔ اس لئے کہ جس اعتناء اور جس تقدس کے ساتھ امام بخاریؒ نے اس کتاب کو مدون کیا اس کی نظیر بھی دوسرے محدثین میں نہیں، حرم محترم میں جا کے اس کتاب کی کتابت اور تکمیل کی۔

اور فرماتے ہیں کہ ہر حدیث جب میں لکھتا تھا تو لکھنے سے پہلے غسل کرتا تھا، دو رکعت نفل پڑھتا تھا اور دعائیں مانگتا تھا کہ: اے اللہ! مجھ میں انشراح پیدا فرما۔ جب شرح صدر ہو جاتا تھا۔ تب ایک حدیث میں لکھتا تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بخاری میں تقریباً سات ہزار یا کم و بیش حدیثیں ہیں۔ تو چودہ ہزار نفل پڑھ کر امام بخاریؒ نے قلم بند کیا ہے ہر حدیث پر رجوع الی اللہ کیا ہے۔

تو اول تو حدیث خود کلام مقدس، کلام نبوی ہے، پھر مدون کرنے والے امام بخاریؒ جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں اور اس کی تدوین میں حرم محترم میں ہر حدیث پر دو رکعت نفل پڑھنا۔ تقدس ہی تقدس جمع ہو گیا پھر بھی اگر حجت نہ بنتی تو اور کیا ہوتا؟ تو وہ حجت بنی اور امت میں یہ تعامل جاری ہے کہ ختم بخاری کر کے دعائیں مانگتے ہیں۔ حق تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ ختم بخاری کا حق تو ادا ہو گیا۔ حدیث بھی پڑھی گئی۔ دعا بھی مانگ لی گئی۔ اب آگے زوائد کی بات ہے۔

جہاں تک حدیث کی شرح کا تعلق ہے وہ اساتذہ کرتے ہیں۔ اس کے متعلق میں کیا عرض کروں؟۔ میں تو ان سے بہت زیادہ کم علم ہوں تو وہ بھی حق ادا ہو گیا یا ہو جائے گا کہ جو استاذ بخاری پڑھانے کے متعلق ہیں۔ وہ حدیث کی شرح کر دیں گے اور اگر کسی درجہ میں کوئی شرح کر سکتا تھا۔ تو تین سال ہوئے یہاں آ کے شرح بھی کر دی تھی۔ جب ختم بخاری ہوئی تھی، میں بھی اس میں شریک ہوا تھا۔ تو حدیث پر تقریر ہو گئی تھی وہ آئندہ کے لئے بھی کافی ہے۔ اس وقت اس مقدس جلسے میں تو صرف اظہار مسرت و مبارک باد مقصود ہے۔

شرف اولیت...... کیونکہ جہاں تک انسانوں کا تعامل ہے۔ دو چیزیں خوشی کی اور مبارک باد کے قابل سمجھی گئی ہیں۔ ایک کسی شئے کا آغاز اور ایک اختتام۔ آغاز پر بھی لوگ خوشیاں مناتے ہیں اور اختتام پر بھی۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو خوشیاں مناتے ہیں' مٹھائی تقسیم کرتے ہیں۔ اس لئے کہ آج اس کی انسانیت کا آغاز ہو رہا ہے۔ ابتداء ہو رہی ہے۔ اس واسطے خوشی کرتے ہیں۔ کوئی شخص باغ لگاتا ہے تو پہلا درخت نصب کر کے احباب کو بلاتا ہے مٹھائی تقسیم کرتا ہے' اس لئے کہ باغ کا آغاز ہو گیا۔

کوئی شخص دکان کھولتا ہے تو اکثر اپنے بزرگوں کو بلاتا ہے کہ صاحب! آپ ہی افتتاح کر دیں۔ مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بہر حال آدمی کا آغاز ہوا یا اس کے افعال کا آغاز ایک خوشی کی چیز ہے اور اسی لئے کسی چیز کی اولیت کو شرف سمجھا گیا اور اس کو فضیلت مانا گیا ہے۔ جو شخص بھی کسی کام کی ابتداء کرے وہ ایک تاریخی چیز بن جاتی ہے کہ فلاں کام کا یا فلاں بات کا فلاں نے آغاز کیا ہے تو اولیت ایک شرف ہے۔

نورِ علم...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب میں جو احادیث آئی ہیں، ان میں اولیات کو ایک خاص

مقام حاصل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ." ① "سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا"۔

ظاہر بات ہے کہ نور سے مراد حسی نور نہیں ہے جیسے سورج یا چاند کا نور ہوتا ہے یہ نور اس کے سامنے معمولی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے، وہ نور حقیقت محمدیہ کا ہے۔ یعنی سب سے پہلے اللہ نے حقیقت محمدیہ پیدا کی اور وہ ہے نور یعنی میرا نور بنایا۔ حسی نور نہیں معنوی نور اور معنوی نوروں میں سب سے زیادہ علم کا نور اکمل ہے، جس طرح بے حسی نور کے چاندنے میں آپ راستہ پالیتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ یہ چیز اچھی ہے یا بری ہے۔ ادھر چلنا چاہئے ادھر نہیں۔ نور آفتاب میں راہ طے کرتے ہیں۔ اچھے برے کی تمیز کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر نور علم ہے، جس میں کسی شی کی خوبی اور خرابی کو پہچانا جاتا ہے۔ علم کی روشنی میں جائز اور ناجائز اور حلال وحرام کی تمیز ہوتی ہے۔ یہ چیز مرضی خداوندی اور یہ نامرضی خداوندی ہے۔ یہ اللہ کی پسند اور یہ ناپسند ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام چیزوں کی تمیز سورج کے نور سے نہیں ہوسکتی۔ سورج کا نور شکلیں دکھلا دے گا اور علم کا نور حقیقتیں دکھلاتا ہے حقائق کے اندر امتیاز پیدا ہوگا۔ صورت دکھلا دینا یہ کوئی بڑی چیز نہیں۔ اس لئے آفتاب کا نور کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ لالٹین، انڈے اور بجلی کا نور ہے۔ اس میں شکلیں، صورتیں، رنگ اور الوان پہچانے جاتے ہیں لیکن علم کا نور وہ ہے جس میں حقائق پہچانے جاتے ہیں جس کے اندر شریعتیں پہچانی جاتی ہیں۔ شریعتوں کے احکام کے مراتب قائم ہوتے ہیں۔ احکام کی علتیں پہچانی جاتی ہیں۔ علتوں سے احکام نکالے جاتے ہیں اسرار و معارف اور حقائق پہچانے جاتے ہیں تو علم کا نور بہ نسبت آفتاب کے نور کے عظیم نور ہے۔

حقیقت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم)...... تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نور علم ہے یعنی آپ کی حقیقت میں علم گوندھ دیا گیا ہے اس لئے آپ نے فرمایا: "اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ." "اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم مجھے عطا کر دیئے گئے"۔ تو آپ اعلم البشر ہیں۔ کائنات میں وہ علم نہ ملائکہ کو دیا گیا نہ انسانوں کو جو علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔ تو آپ ساری خلائق میں سب سے زیادہ علم والے اور اعلم الخلائق ہیں۔ وہ کیوں ہیں؟

اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہی علم سے گوندھ کر بنائی گئی ہے۔ اس لئے آپ کی شریعت علم سے لبریز ہے کوئی حکم نہیں جس کے نتیجے میں حکمت نہ ہو۔ کوئی نقل نہیں جس کے اندر عقل چھپی ہوئی نہ ہو۔ کوئی صورت حکم نہیں جس کے اندر حقائق کی تہ پر تہ جمی ہوئی نہ ہو ۔

حرف حرفش راست اندر معنی   معنی در معنی در معنی

ایک ایک حرف کے اندر حقائق کے دریا چھپے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم آپ پر معجزہ بنا کر بھیجا گیا۔ وہ علمی معجزہ

① قال العلامة الكهنوى: وقد اشتهر بين القصاص حديث "اول ماخلق الله نورى" وهو حديث لم يثبت بهذا المعنى وان ورد غيره موافق له في المعنى.

ہے۔تو قرآن کریم کی حقیقت علم سے لبریز ہے۔تو ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم خود علم سے گوندھی ہوئی ذات ہوئی۔ شریعت وہ دی گئی جو علم سے لبریز ہے۔شریعت کا کوئی حکم نہیں جس کی حقیقت ولمّیت موجود نہ ہو۔

اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی ارشاد فرمایا: ﴿اَدْعُوْآ اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَامِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ① ”میں اور میرے ماننے والے دین کے بارے میں بصیرت پر ہیں“۔یعنی اسلام چند بندھی رسوم کا مجموعہ نہیں۔بلکہ حقائق سے لبریز دین ہے جو اس دین کی واقفیت حاصل کرے گا علوم وکمالات سے بھر جائے گا۔دنیا اور آخرت کے سارے راز اس پر کھلیں گے۔بہر حال نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جامع العلوم ہیں۔

کمالاتِ نبوّت کے منتہیٰ......اور اس لئے آپ کو خاتم الانبیاء بنایا گیا۔ختم نبوّت کے معنی قطع نبوّت کے نہیں کہ نبوّت دنیا سے اٹھ گئی ہے۔ختم نبوّت کے معنی تکمیل نبوت کے ہیں کہ نبوت کے جتنے مراتب اور کمالات ہیں وہ آپ کی ذات پر لاکر جمع کر دیئے گئے۔اب نبوت کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے کہ بعد میں کسی کو نبی بنا کر لایا جائے اور اس کو ظاہر کیا جائے۔سارے کمالات نبوت علمی ہوں،اخلاقی ہوں عملی ہوں وہ سب آپ کی ذات بابرکات پر ختم کر دیئے گئے۔ان کی انتہا ہوگئی۔تو آپ سارے کمالات نبوّت کے منتہی ہیں۔اخلاق کو دیکھو تو آپ صابر ہی نہیں بلکہ سید الصابرین ہیں،آپ شاکر ہی نہیں۔بلکہ سید الشاکرین ہیں آپ فقط حیاء والے ہی نہیں بلکہ حیاء والوں کے سردار ہیں اور حیاء کے سارے مراتب آپ میں جمع ہیں۔غیرت وحمیت اور شجاعت وسخاوت اور جتنے بھی اعلیٰ ترین اخلاق ہیں آپ ان سب کا منتہی ہیں کہ تمام اخلاقی درجات آپ پر لاکر ختم کر دیئے گئے۔اسی لئے فرمایا گیا ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ ② ”آپ خلق عظیم کے اوپر ہیں“۔

مراتبِ اخلاق......اس لئے کہ اخلاق میں اگر غور کیا جائے تو تین مرتبے نکلتے ہیں۔ایک خلق حسن،ایک خلق کریم اور ایک خلق عظیم۔خلق حسن کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امر کیا گیا،حق تعالیٰ نے فرمایا: ”خَلِيْلِىْ حَسِّنْ خُلُقَكَ وَلَوْمَعَ الْكُفَّارِ.“ ③ ”اے میرے خلیل!حسن اخلاق سے پیش آؤ،چاہے کفار ہی تمہارے سامنے کیوں نہ ہوں؟“

دوسرا درجہ خلق کریم کا ہے۔آدمی کا کریم الاخلاق ہونا یہ دوسرا مقام ہے اور تیسرا مقام خلق عظیم کا ہے۔ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ.“ ④ ”میں مبعوث کیا گیا

---

① پارہ:۱۳ سورۃ یوسف،الآیۃ:۱۰۸۔ ② پارہ:۲۹ سورۃ القلم،الآیۃ:۴۔

③ المعجم الاوسط للطبرانی،باب المیم من اسمہ:محمد ج:۱۴ ص:۲۷۲۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ مؤمل بن عبدالرحمٰن الثقفی وھو ضعیف دیکھئے:مجمع الزوائد ج:۸ ص:۲۰۔

④ السنن الکبریٰ للبیہقی،باب بیان مکارم الاخلاق ومعالیھا۔ج:۱۰ ص:۱۹۲۔

ہوں اس لئے کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں''۔

تعریف اخلاق...... تو آپ پر کریمانہ اخلاق، اخلاق حسنہ اور اخلاق عظیم بھی مکمل ہو گئے۔ ان تینوں اخلاق میں کیا فرق ہے؟ خلق حسن کے معنی عدل ومساوات کے ہیں کہ جو ادھر سے ہو اس کے برابر ادھر سے ہو۔ اگر آپ کے ساتھ کوئی ایک پیسے کا سلوک کرے تو آپ کا فرض ہے کہ ایک پیسے کے برابر آپ بھی سلوک کریں کہا جائے گا کہ انہوں نے خلق حسن برتا۔ اخلاق حسنہ کا آدمی ہے کہ بدلہ برابر کر دیا۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے آپ کو تھپڑ مار دیا تو آپ کو حق ہے کہ آپ بھی تھپڑ ماریں۔ اگر تھپڑ سے زیادہ مکہ ماریں گے تو کہیں گے بدخلق آدمی ہے۔ اسے برابری کا حق تھا کہ دوسرے نے اس کو تھپڑ مارا، اسے بھی تھپڑ مارنے کا حق تھا۔ تھپڑ کی بجائے مکہ مار دینا بداخلاقی وزیادتی شمار ہوگی۔ اس نے اتنی زیادتی نہیں کی تھی کہ جتنی آپ نے کی تو آپ مستحق سزا ہوں گے تو خلق حسن کے معنی عدل ومساوات کے ہیں کہ نیکی اور برائی کے اندر برابر آپ بدلہ لیں یہ خلق حسن ہے۔

خلق کریم اس سے اگلا مرتبہ ہے۔ وہ یہ کہ آپ کے ساتھ اگر کوئی برائی سے پیش آئے تو آپ بدلہ نہ لیں، بلکہ معاف کر دیں، درگزر کریں یہ خلق کریم ہے۔ اگر بدلہ لے لیا تو خلق حسن ہے بشرطیکہ برابر سرابر بدلہ ہوا اور اگر برائی کو معاف کر دیا یا ایک روپے کے بدلہ میں دو روپے دے دیئے ورنہ ایک روپیہ کا بدلہ ایک روپے سے دے سکتا تھا۔ تو کہیں گے خلق کریم کا برتاؤ کیا۔ یہ آدمی کریم النفس ہے بہرحال مساوات سے آگے بڑھ کر کچھ کام کرے وہ خلق کریم کہلائے گا۔

اور تیسرا درجہ خلق عظیم کا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے آپ کے ساتھ برائی کی تو نہ صرف یہ کہ آپ نے بدلہ نہ لیا نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ اوپر سے برائی کرنے والے کے ساتھ احسان بھی کیا۔ یہ خلق عظیم ہے۔

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم...... جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان فرمائی گئی۔ فرمایا گیا ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ ① اس سے زیادہ فرمایا ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ ② وہ جو اللہ نے آپ میں کوٹ کوٹ کر رحمت بھر دی ہے۔ اس کی وجہ سے آپ رقیق القلب ہیں، قلب مبارک نہایت نرم ہے۔ ذرا سی مصیبت کسی کی دیکھی اور پگھل جاتا ہے۔ قلب رحمت سے بھرا ہوا ہے۔ ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ ③ اگر آپ سخت دل ہوتے، یہ جو آپ کے اردگرد پروانوں کی طرح لوگ جمع ہیں۔ یہ اٹھ اٹھ کر بھاگ جاتے۔ سب آپ کے اخلاق نے انہیں جذب کر رکھا ہے۔ آپؐ کے اخلاق کیا ہیں؟

پہلا درجہ فرمایا گیا ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ﴾ ④ یہ نہیں کہا گیا کہ برابر سرابر بدلہ لے لیں۔ اگر کوئی برائی کرے تو

---

① پارہ: ۹، سورۃ الاعراف، الآیۃ: ۱۹۹۔ ② پارہ: ۴، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۱۵۹۔

③ پارہ: ۴، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۱۵۹۔ ④ پارہ: ۴، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۱۵۹۔

معافی اور ایثار سے کام لیں۔آپ معاف کردیں، بدلہ لینے کا تصور نہ کریں۔ بدلہ لینے سے آپ کی ذات بہت بالاتر ہے۔اگرچہ برابر کا بدلہ لینا وہ بھی خلق حسن ہے مگر آپ کے اخلاق اس سے زیادہ بلند ہیں۔آپ کا ابتدائی خلق یہ ہے کہ جب کوئی برائی کرے تو آپ تو معاف کردیں۔

﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ ① اس برائی کرنیوالے کے لئے دعاء مغفرت بھی کریں یہ ایک درجہ اور بڑھا دیا۔دوسرا گالیاں دے رہا ہے اور آپ دعائیں مانگ رہے ہیں۔﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ② آپ ان سے مشورہ لیں یہ اس سے بھی اونچا مقام ہے۔اس مجموعہ کا نام خلق عظیم ہے۔تو خلق عظیم میں خلق حسن اور خلق کریم بھی درج ہے۔

درجات تربیت...... انبیاء علیہم السلام جامع الاخلاق ہوتے ہیں لیکن تربیت کرنے میں انبیاء علیہم السلام کے درجات ہیں ان درجات میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاں خلق حسن کا درجہ ہے۔جس پر انہوں نے اپنی امت کو تربیت دی کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی برائی کرے، تمہارا فرض ہے کہ تم برائی کا بدلہ لو۔موسوی شریعت کے اندر معاف کرنا جائز نہیں تھا۔

فرمایا گیا ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ......﴾ ③ ہم نے اہل تورات پر لازم کردیا تھا کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی برائی کرے تو معاف کرنا جائز نہیں۔ بدلہ لینا ضروری ہے۔اگر کوئی دانت توڑے، تمہارا فرض ہے کہ تم بھی دانت توڑ دو۔کوئی آنکھ پھوڑ دے تمہارا فرض ہے تم بھی آنکھ پھوڑ دو۔کوئی تھپڑ مارے، تم بھی تھپڑ مارو۔بدلہ لینا واجب ہے عفو کرنا جائز نہیں۔ یہ موسوی شریعت ہے۔تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو خلق حسن پر تربیت دی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا، انہوں نے خلق کریم پر تربیت دی۔اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی برائی کرے تو بدلہ لینا جائز نہیں۔معاف کرنا واجب ہے۔تو وہاں تشدد غالب ہے۔یہاں تساہل غالب ہے۔یہاں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی تمہارے بائیں گال پر تھپڑ مارے تو تم دایاں بھی سامنے کردو کہ بھائی ایک اور مارتا جا خدا بھلا کرے۔

یہ نہیں کہ بدلہ لو۔بدلہ لینا جائز نہیں، معاف کرنا واجب ہے جھک کر تواضع سے رہنا ضروری ہے۔اسی میں تمہارے نفس کے لئے انکسار ہے۔اسی میں اولیت واولویت ہے تو یہاں خلق کریم پر تربیت دی گئی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خلق عظیم پر تربیت دی ہے کہ کوئی برائی کرے تم اس کے ساتھ بھلا کرو۔﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ ④ "دوسروں کی برائی کا بدلہ اپنی بھلائی سے دو۔وہ گالیاں دے تم دعائیں دو"۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جہاز میں سوار تھے اور حج کے لئے جارہے تھے۔لوگوں نے انکے مقام کو نہ پہچانا کسی نے برا کہا، کسی نے گالی دی، کسی نے کچھ اور کہا وہ گالیاں دے رہے ہیں اور جنیدؒ دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ ان کو ہدایت دے اور انہیں وہی مقام دے جو تو نے مجھے دیا ہے تو وہ برائی کے درپے ہیں یہ ان کی بھلائی

① پارہ: ۴، سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۱۵۹۔ ② پارہ: ۴ سورۃ آل عمران، الآیۃ: ۱۵۹۔
③ پارہ: ۶، سورۃ المائدۃ، الآیۃ: ۴۵۔ ④ پارہ: ۲۴ سورۃ الفصلت، الآیۃ: ۳۴۔

کے درپے ہیں۔اس شان سے امت محمدیہ کو یہ تربیت دی گئی ہے کہ ان کے اندر خلق عظیم آئے۔

شرف خاتمیت......عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ: اخلاق کے تین مراتب ہیں۔اعلیٰ ترین مرتبہ خلق عظیم ہے۔ اس کے بعد کوئی مرتبہ نہیں۔وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا تو آپ جامع الاخلاق اور جامع الکمالات ہیں۔علم بھی آپ کو اگلوں اور پچھلوں کا دیا گیا۔تو آپ جامع العلوم بھی ہیں۔احوال سابقہ سارے آپ کے اوپر طاری ہوئے تو آپؐ جامع الاحوال بھی ہوئے۔اس لئے آپ کو خاتم بنایا گیا کہ آپ کمالات علم، کمالات عمل اور کمالات اخلاق کے منتہی ہیں۔گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کمالات سے بھرپور ہے۔اس کو آپ نے فرمایا: ''اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ.'' سب سے پہلے میری حقیقت پیدا کی گئی۔وہ حقیقت علم اور کمالات سے گوندھی ہوئی ہے۔مگر عرض یہ کرنا تھا کہ مناقب میں اولیت کا ذکر کیا گیا۔اگر یہی چیزیں بعد میں پیدا کر دیتے کسی اور کو پہلے لا کر تو کمالات کے جامع جب بھی آپ ہی ہوتے مگر وہ جو اول ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ نہ ملتا۔تو اولیت بھی عطاء کی گئی۔تو ایک طرف تو خاتمیت عطاء کی گئی کہ آپؐ سب سے اخیر میں ہیں اور ایک طرف اولیت عطاء کی گئی۔

تو آپؐ ان کمالات میں جو اللہ نے عطاء کئے ہیں اول بھی ہیں آخر بھی ہیں۔رجوع آپ ہی کی طرف ہوگا۔ تو اولیت ایک عظیم فضیلت ہے۔یا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ.'' ① ''سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا اور بعد میں سب کو اٹھاؤں گا''۔ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اٹھائیں گے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو جنت البقیع میں مدفون ہیں انہیں اٹھاؤں گا۔اس کے بعد مکہ کی طرف جنت المعلیٰ ہے۔وہاں کے قبرستان سے لوگ اٹھیں گے اور سب میرے ساتھ ہوں گے تو قبر سے اٹھنے میں آپ کی اولیت ثابت ہے۔

''اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُفْتَحُ بَابَ الْجَنَّةِ'' ② ''سب سے پہلے میں ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھولوں گا''۔اس واسطے وہاں بھی آپ ہی کو اولیت حاصل ہے۔''وَاَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا'' ③ ''قیامت کے دن سب سے پہلے میں قائد ہوں گا''۔میری قیادت میں دنیا کی امتیں چلیں گی، میں ہی شفاعت کبریٰ کروں گا، سب امتیں میرے جھنڈے کے نیچے آئیں گی۔تو دنیا و آخرت کی جتنی بھی اولیتیں ہیں، وہ سب آپؐ کے لئے ثابت ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اولیت ایک عظیم شرف ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہر چیز کی اولیت پر اور ابتداء و آغاز پر لوگ خوشیاں مناتے ہیں۔

تکمیل پر مسرت......اسی طرح سے دوسرا مقام اختتام کا ہے کہ اس پر خوشی منائی جاتی ہے۔جب کوئی چیز مکمل ہو جاتی ہے تو خوشی مناتے ہیں کہ آج پوری ہوگئی۔بچہ اگر تعلیم سے فارغ ہو کر سند حاصل کرے، آپ دعوت کرتے

---

① الصحيح للبخاري، كتاب الخصومات، باب مايذكر في الاشخاص...... ج: ٢ ص: ٨٥٠ رقم: ٢٢٨١.

② مسند ابی يعلى الموصلي، شهر بن حوشب عن ابی هريرةؓ ج: ١٣ ص: ٣٩٦.

③ السنن للامام الدارمي، باب ما اعطى النبی ﷺ من الفضل، ج: ١ ص: ٣٠.

ہیں کہ بچہ فارغ ہوگیا۔ یعنی اس کا علم حدِ اختتام کو پہنچ گیا۔ جو تدریس کا سلسلہ تھا، اس میں آخری مرتبے پر آ گیا۔ تو انتہاء کی بھی خوشی کرتے ہیں۔

آپ کہیں گے، بچے کی پیدائش پر خوشی کرنا صحیح ہے لیکن اس کا تقاضا یہ ہے جس دن اس کا انتقال ہو، اس دن بھی خوشیاں منائی جاتیں حالانکہ اس دن روتے ہیں خوشیاں کوئی بھی نہیں مناتا۔ اس قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ جب ابتداء میں خوشی کی گئی تو انتہاء میں بھی خوشی کی جائے۔

میں کہتا ہوں کہ: انتہاء میں بھی آپ خوشی کرتے ہیں۔ موت پر کبھی کوئی رنجیدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ جب اچھی موت ہو بعض اوقات کہا کرتے ہیں کہ: بھئی بڑا اچھا آدمی تھا، خدا ایسی موت ہر ایک کو نصیب کرے۔ مرنا تو تھا ہی، مگر ایسی موت نصیب ہوئی، بڑی خوشی کی بات ہے، بڑی فرحت کی بات ہے۔ کوئی جامِ شہادت پی لے تو آپ کہتے ہیں کہ بھئی! موت تو اپنے وقت پر آتی ہے لیکن شہید ہو کر مرا ہے۔ کتنی خوشی کا مقام ہے۔

موت کی خوشی...... اور ویسے بھی مرنے کے معنی اللہ سے مل جانے کے ہیں۔ تو کیا اللہ سے مل جانا کوئی غم کی چیز ہے کہ اس میں آدمی رنج کرے کہ ہائے فلاں آدمی خدا سے کیوں مل گیا؟ حدیث میں فرمایا گیا: ''اَللّٰھُمَّ حَبِّبِ الْمَوْتَ اِلٰی مَنْ یَعْلَمُ اَنِّیْ رَسُوْلُکَ.'' ① ''یا اللہ! ہر اس شخص کے دل میں موت کی محبت ڈال دے، جو میرے رسول ہونے کا قائل ہے''

کیوں محبت ڈال دے؟ کیوں موت محبوب بنائی گئی؟ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ: ''اِنَّ الْمَوْتَ جِسْرٌ یُوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ.'' ② ''موت ایک پل ہے جس سے آدمی گزر کر محبوبِ حقیقی سے جا ملتا ہے۔ اپنے پروردگار سے جا ملتا ہے''۔ تو موت درحقیقت بندے کو خدا سے ملانے کا ذریعہ ہے۔ یہ نہیں کہ بندہ تو خدا سے مل رہا ہے اور آپ بیٹھ کر رنج کریں؟ اور آہ وفغاں کریں؟ بلکہ حقیقت میں موت بھی خوشی کی چیز ہے پھر بھی جو غم کرتے ہیں۔ وہ غم موت کا نہیں، جدائی کا ہوتا ہے کہ ہم سے فلاں عزیز جدا ہو گیا۔ اس پر غم نہیں کہ مر کیوں گیا؟ اللہ سے کیوں مل گیا؟ بلکہ ایک نعمت ہم سے چھنی اصل میں اس کا غم ہوتا ہے۔ یہ غم اس کی موت پر نہیں ہوتا۔ یہ غم فراق کا ہوتا ہے کہ ہم سے فلاں آدمی چھن گیا۔

تو غم حقیقت میں جدائی کا کرتے ہیں۔ موت کا غم نہیں ہوتا، نہ اس کا غم ہوتا ہے کہ بندہ اللہ سے کیوں مل گیا؟۔ لہٰذا موت بھی ایک خوشی کی چیز ہے۔ اور اہل اللہ کے ہاں تو اس سے زیادہ فرحت کی چیز ہی کوئی نہیں۔

ابن الفارض کہتے ہیں ؎

---

① المعجم الکبیر للطبرانی، ج:۳ ص:۱۸۷۴۔ علامہ ہیثمیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: رواہ الطبرانی وفیہ محمد بن اسماعیل بن عیاش وھو ضعیف دیکھئے: مجمع الزوائد، ج:۱۰ ص:۳۰۹۔

② یہ حضرت حبان بن الاسود کا قول ہے دیکھئے: فیض القدیر، ج:۳ ص:۲۳۳۔

خرم آن روز کزیں منزل ویراں برویم　　تادر میکدہ شاداں و غزل خواں برویم

وہ کون سا مبارک دن ہوگا کہ اس اجڑے دیار کو چھوڑیں گے۔ اور اپنے محبوب حقیقی سے جا کے ملیں گے۔

شوق ملاقات محبوب...... حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب وفات کا وقت آیا تو چہرہ کھلا ہوا ہے اور چہرے پر ایسی خوشی کہ عمر بھر اتنی خوشی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ لوگوں نے عرض کیا: ''موت کی تو تکلیف گزر رہی ہے اور چہرہ آپ کا دمک رہا ہے۔ خوشی سے نورانیت برس رہی ہے'' فرمایا: ''غَدًا نَلْقَى مُحَمَّدًا وَّ اَصْحَابَهٗ.'' بس ''اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے انشاء اللہ کل ملاقات ہوگی''۔ اس لگن میں مطمئن ہوں۔ تو موت کی خوشی کوئی ان اہل حقیقت سے پوچھے کہ اس گندے عالم کو چھوڑ کر پاکیزہ عالم میں جارہے ہیں یہاں کے دوستوں کو چھوڑ کر جن کی دوستی مشکوک ہے، ان دوستوں میں جارہے ہیں جن کی دوستی میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

منصورؒ اکثر قبرستان میں رہتے۔ لوگ کہتے کہ شہروں کو چھوڑ کر قبرستانوں میں کیوں جاتے ہو؟ تو کہتے کہ میں اس قوم کے پاس رہتا ہوں جو نہ غیبت کرتی ہے نہ جھوٹ بولتی ہے نہ چغلی کھاتی ہے نہ بدخواہی کرتی ہے۔ مرنے کے بعد آدمی کی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اس کی جتنی نیکیاں ہیں وہ ابھر جاتی ہیں۔ اس لئے آدمی ان سے مل کر خوش ہوتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے ملے تو اس سے بڑھ کر خوشی کا کیا مقام ہے؟ تو عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ موت بھی خوشی کی چیز ہے اور آپ بھی درحقیقت خوش ہی ہوتے ہیں مگر اس کے اوپر جدائی کا غم چونکہ غالب ہو جاتا ہے تو وہ خوشی دب جاتی ہے۔ اگر جدائی کی غمی نہ ہوا کرتی تو شاید لوگ میت پر شادیانے بجایا کرتے کہ بڑا اچھا ہوا اللہ سے جاملا۔ مگر اس خوشی کے اوپر جدائی کا غم غالب آجاتا ہے۔ اس لئے آدمی کے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ خوشی کی دو چیزیں ہیں۔ ایک آغاز اور ایک اختتام۔

اصل خوشی...... آغاز میں توقع پر خوشی ہوتی ہے۔ ابتداء آدمی توقع باندھتا ہے کہ آج میں نے بچے کو پڑھنے کے لئے بٹھایا ہے۔ امید ہے کہ آٹھ برس میں عالم بن جائے گا۔ اس توقع پر خوشی مناتے ہیں یہ نہیں کہ آج کوئی خوشی میسر آرہی ہے۔ اگر باغ لگاتے ہیں اس کی ابتداء میں خوشی کریں تو توقع کی خوشی ہوتی ہے کہ اب چند دن کے بعد پھل دے گا اور ہم اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ غرض ابتداء کی خوشی محض توقع پر مبنی ہوتی ہے واقع پر مبنی نہیں ہوتی۔ لیکن انتہاء کی خوشی واقعات پر مبنی ہوتی ہے کہ شی تکمیل کو پہنچ گئی۔ ختم ہونے کا یہاں یہ مطلب ہے کہ دلوں کے اندر مکمل ہوگئی۔ ساری احادیث کو عبور کر کے آج اس درجے پر آگئے کہ ہم سات ہزار احادیث کے عالم بن گئے۔ بقدر استعداد ہم نے علم حاصل کر لیا۔ وہ ہمارے اندر مجتمع ہے۔ تو اختتام کے وقت جو خوشی ہوتی ہے۔ وہ تکمیل شے پر اور ابتداء میں محض توقعات پر خوشی ہوتی ہے۔ کسی شے کا وجود نہیں ہوتا۔ اس لئے اصل خوشی اختتام کی ہے۔ تو آج خوشی کا دن ہے کہ بخاری ختم ہوئی۔

قلب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ...... غور یہ کرنا ہے کہ آخر ختم پر ہم نے کیوں خوشی منائی؟ آپ کو بخاری

پڑھنے کے بعد دو چیزیں حاصل ہوئیں۔ایک متن حدیث اوراس کی مرادات جو آپ کے اساتذہ نے آپ کو سمجھائیں۔کتاب الایمان اوراس کی احادیث کے یہ مطالب ومرادات ہیں۔کتاب العلم اوراس کی احادیث کے یہ مطالب ہیں۔یہ مفہوم شرعی ہے۔کتاب الطہارات، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج اور پھر آگے معاملات اور کتاب الاجتہاد اور غزوات،ان تمام چیزوں میں وہی باتیں ہیں۔ایک متن حدیث وہ آپ تک پہنچا اور آپ نے اس کے معنی اور مفہوم کو سمجھ لیا اور دوسرا یہ کہ آپ کو سند ملی۔

آپ نے کہا مجھے یہ حدیث میرے استاذ سے پہنچی۔اسے اس کے استاد سے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ مل گیا۔گویا آپ کے قلب کا رشتہ قلب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہوگیا اور ایک نورانی سلسلے سے کلام کے لفظ اور معانی آپ کے قلب تک آگئے۔تو متن حدیث کے ساتھ آپ کو سند بھی حاصل ہوگئی اور آپ مستند عالم ہوگئے۔

ضرورت سند......اور محض عالم ہونا کافی نہیں مستند عالم ہونا ضروری ہے۔جس عالم کا بلا انقطاع سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہوجائے،وہی عالم ہے۔اگر آپ دیکھیں اس سے سلسلہ ہی قطع ہوگیا۔نہ اس نے کسی استاد سے تعلیم پائی نہ سند حاصل کی،نہ تربیت حاصل کی اور پھر وہ جو کچھ کہہ رہا ہے تو وہ قوت مطالعہ سے کہہ رہا ہے۔اپنے نفس کو امام بناکے کہہ رہا ہے کہ جو میرے نفس نے سمجھ لیا وہ میں کہہ رہا ہوں۔ظاہر بات ہے وہ مراد ربانی نہیں ہوسکتی مراد نبوی نہیں ہوسکتی۔اس کے نفس کی مراد ہوسکتی ہے۔

اس لئے کہ لفظ اللہ ورسول کے لئے،اور معانی اپنے ڈال دیئے لفظ منقول لئے اور معنی غیر منقول لئے وہ معانی ہمیں مطلوب نہیں جو سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہوکر ہم تک نہ پہنچیں۔

مسلسلات......محدثین نے تو سند کا یہاں تک اہتمام کیا ہے کہ نہ صرف لفظ اور معانی ہی کو نقل کیا بلکہ ان ہیئتوں کو بھی نقل کیا ہے جو حدیث کے پڑھنے اور سننے میں ان کے سامنے آئیں،استاذ کی حالت وکیفیت کو بھی سند کے ساتھ نقل کیا۔چنانچہ مسلسلات کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ علیہ نے ''الدر الثمین'' مستقل رسالہ لکھا اس میں فقط الفاظ ومعانی کی ہی نقل وروایت نہیں بلکہ ہیئتوں کی بھی ہے۔ان افعال کی بھی سند جو افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھلائے جیسے کہ مثلاً حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔وہ فرماتے ہیں ''صَافَحْتُ بِكَفِّيْ هٰذِهٖ كَفَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ①''میں نے اپنی اس ہتھیلی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے مصافحہ کیا اور اپنی ہتھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی پر رکھی''۔اور کہتے ہیں ''فَمَا مَسَسْتُ خَزًّا وَّلَا حَرِيْرًا اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.'' ''میں نے جب اپنی ہتھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی پر رکھی تو میں نے کوئی ریشم اور ملائم سے ملائم کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جیسی

① الصحيح للبخاري، كتاب الصوم، باب مايذكر من صوم النبي صلى الله عليه وسلم و افطاره ج:٧ ص:٨٣.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک نرم تھی، تو میں نے اس کف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا''۔

تابعی کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے میں آپ کی ہتھیلی پر ہاتھ رکھوں تا کہ اس سلسلہ سے بالواسطہ میری ہتھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی پر رکھی جائے، ان تابعی سے تبع تابعی بھی کہتے کہ مجھے آپ اجازت دیں کہ میں آپ سے مصافحہ کروں تا کہ دو واسطوں سے میری ہتھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک پر رکھی جائے، اسطرح یہ حدیث چلی۔

عالی سند...... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو فرمایا کہ: اس وقت میری سند اپنی جماعت میں سب سے عالی ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک مجھ میں کم واسطے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تجھے حدیث کی سند دوں۔ مگر شرط یہ ہے کہ سہارن پور آ کر حدیث کی اجازت لو۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت! میں حاضر ہوں گا۔ لڑکپن کی بات تھی بھول بھال گئے۔ ایک برس گزر گیا۔ اتفاق سے میں ایک سفر میں ساتھ ہوا تو حضرتؒ نے فرمایا کہ تو آیا نہیں؟ میں تجھے حدیث کی اجازت دیتا۔ میں نادم ہوا۔ میں نے کہا حضرت! اب حاضر ہوں گا۔ پھر ایک برس گزر گیا۔ وہ بھی لڑکپن کی بات تھی گزر گئی۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ہجرت کر کے مدینہ منورہ (زَادَهَا اللّٰهُ شَرَفًا وَّ كَرَامَةً) تشریف لے جا رہے ہیں۔ اب فکر ہوئی کہ پھر یہ دولت ہاتھ سے نکل جائے گی۔ تو میں نے سہارن پور کا سفر کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔

میں نے کہا: حضرت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ بہت خوش ہوئے مولانا زکریا صاحب سے فرمایا: مظاہر العلوم کے کتب خانہ میں جتنی حدیث کی متداول کتابیں ہیں سب لے آؤ۔ تو وہ معاجم مسانید اور صحاح ستہ لے آئے۔ ساری کتابیں جمع ہو گئیں۔ ہر ہر کتاب کا اول پڑھ کر حضرت نے مجھے حدیث کی اجازت دی۔ کچھ مجھ سے پڑھوایا، بعض کتابوں کی نقل کرنے کی اجازت دی۔

اس کے بعد فرمایا بھائی! مسلسلات کی اجازت بھی دے دوں گا۔ تو یہ جو مسلسل بالمصافحہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اس کی اجازت مصافحہ کر کے اور میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی رکھ کر دی۔ مصافحہ کیا اور حدیث نقل کی کہ یہ مصافحہ بھی مسلسل سند کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔ ان واسطوں سے گویا تیری ہتھیلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر رکھی گئی۔

اس کے بعد دوسری حدیث ''حدیث مسلسل بالماء والتمر'' کی بھی عملاً اجازت دی۔ یہ حضرت علیؓ کی حدیث ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کھجور کی ضیافت کی اور اس کے بعد آپ نے کھجور کھائی اور کھا کر اس حضرت علیؓ کو کھلایا اور پانی پیا اور پانی حضرت علیؓ کو پلایا۔ گویا کھجور اور پانی کی دعوت کی اور دعوت کر کے پھر وہ حدیث سنائی کہ کھجور اور پانی کی دعوت کرنے میں کیا فضیلت ہے۔

حضرت علی نے اسی طرح اپنے شاگرد کو اجازت دی کہ خود کھجور کھائی۔ الش اسے کھلایا۔ پانی پیا اور بچا ہوا پانی

پلایا اور حدیث پڑھی۔ یہ مسلسل عمل چلا آ رہا ہے تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کھجور منگوائی اور پانی بھی منگوایا (زمزم کا پانی) کھجور کھا کر اش مجھے کھلایا اور پانی مجھے پلایا اور حدیث نقل فرمائی۔ اور اس کی اجازت دی۔ تو عملاً حدیث مسلسل بالماء والتمر اور مسلسل بالمصافحہ کی اجازت دی اور پھر روایۃً ساری مسلسل کی اجازت دی کہ میں حدیث کی اجازت دیتا ہوں تو ان کی روایت کر سکتا ہے۔ میرے عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ محدثین نے فقط قول نبی نقل نہیں کیا معانی بھی نقل کئے اور معانی ہی نہیں بلکہ وہ افعال اور ہیئتیں بھی سند کے ساتھ ہم تک پہنچائے جو افعال پہنچتے آئے ہیں۔

محدثین کی احتیاط...... معمولی سی بات ہے کہ میں نے مشکوۃ اپنے والد ماجد سے پڑھی تھی۔ تو نوحہ کی حدیث آئی۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی بڑا آدمی مرجاتا تھا۔ تو وہ وصیت کر کے جاتا تھا کہ چھ مہینے تک یا سال یا دو برس تک مجھے رویا جائے اب ظاہر بات ہے کہ اتنے دنوں تک آنکھوں میں کوئی آنسو لے کر بیٹھ جائے تو یہ ہو نہیں سکتا اور نہ روئے تو لوگ کہیں گے بھئی! کوئی بڑا آدمی نہیں تھا۔ معمولی تھا۔ مر گیا لہٰذا چھ مہینے روؤ تا کہ معلوم ہو کہ کوئی بڑا آدمی گزرا ہے۔ مگر اب چھ مہینے تک روئے کون؟ تو رونے والیاں کرائے پر رکھی جاتی تھیں کہ وہ چھ مہینے تک بیٹھ کر روئیں اور وہ عورتیں ہی رکھی جاتی تھیں۔ اس لئے کہ آنسو بہانا انہیں آسانی سے آتا ہے بس ارادہ کیا اور ٹپ ٹپ آنسو ٹپکنے شروع ہو گئے۔ تو رونے اور رلانے کے لئے عورتوں سے بہتر دوسرا کرایہ دار نہیں مل سکتا تھا۔ اس لئے عورتوں کو کرایہ پر رکھتے تھے۔ اجرت بھی دیہاتی اور کھانا کپڑا بھی اور ان کا طریقہ کیا تھا؟ گھر میں بیٹھی ہوئی ہیں کھا پی رہی ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی تعزیت کے لئے آیا، بس وہ فوراً گھیرا بنا کر بیٹھ گئیں اور انہوں نے ''راں راں'' کر کے رونا شروع کیا۔ "وَاکَذَاہُ! وَاجَبَلَاہُ! وَاشَمْسَاہُ!" تو تو پہاڑ تھا، تو تو آفتاب تھا، چاند تھا، وغیرہ۔ اور پوری لے کے ساتھ اور کچھ ''راں راں'' کر کے دکھلایا کہ یوں روتی تھیں۔

ہمیں حیرت ہوئی کہ اس کی کیا ضرورت تھی؟ پھر خود ہی فرمایا کہ تمہارے ذہنوں میں سوال پیدا ہوا ہوگا کہ میں نے ''راں راں'' کر کے کیوں دکھلایا؟

فرمایا اس لئے کہ جب مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے حدیث پڑھی، تو انہوں نے یوں ہی ''راں راں'' کر کے دکھلایا تھا اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: جب میں نے شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تو اس حدیث پر انہوں نے بھی یوں ہی ''راں راں'' کر کے دکھلایا تھا اور شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: جب میں نے شاہ اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تو انہوں نے بھی یہی کر کے دکھلایا تھا اور شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: جب میں نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تو انہوں نے بھی یہی کر کے دکھلایا تھا اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: جب میں نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی تو انہوں نے یہی کر کے دکھلایا اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: جب میں نے شیخ ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث

پڑھی۔ انہوں نے یونہی کر کے شاہ ولی اللہ کو دکھلایا اور اس "راں راں" کی صحابی تک سند پہنچادی۔

تو محدثین نے اتنی احتیاط برتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ نقل کئے بلکہ ہیئتیں بھی نقل کیں۔ بلکہ وہ عوارض اور احوال بھی سند کے ساتھ پہنچائے تا کہ معلوم ہو کہ پورے وثوق کے ساتھ انہیں حدیث آئی اور حدیث سنی ہے۔

غیر مستند عالم......اب جس شخص کے پاس سند نہ ہو، محض ترجے دیکھ کر وہ حدیث بیان کرے۔ وہ قابل اعتبار نہیں وہ مستند عالم نہیں ہے۔ اسے عالم نہیں کہیں گے زیادہ سے زیادہ ناقل کہیں گے۔ اگر نقل صحیح کر دی، کہیں گے نقل صحیح کی۔ غلط کی کہیں گے غلط کی، لیکن عالم کہہ دیں؟ یہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عالم کے لئے استناد لازمی ہے بغیر استناد کے علم، علم نہیں ہوتا۔

عقلی علوم میں استناد ضروری نہیں ہے کہ آپ فلسفہ میں صدرا پڑھ کر یوں کہیں کہ "حَدَّثَنَا فُلَانٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَرَسْطُوْ وَاَفْلَاطُوْنَ" وہاں ضرورت نہیں۔ اس واسطے کہ عقلی چیزیں ہیں۔ ہمیں بھی عقل ہے۔ انہیں بھی عقل تھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی عقلی باتوں میں غلطی کر گئے ہوں۔ ہم کہیں گے غلط کام ہوا۔ ہماری عقل میں یہ چیز آتی ہے۔ تو ہر شخص کو عقل دی گئی ہے، دوسرے کی عقل اس کے لئے حجت نہیں وہ تخطیہ کر سکتا ہے۔

لیکن نقل و روایت کی چیز میں پابند ہونا پڑے گا استاذ کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم نقل کر کے کہے گا میرے استاذ نے یہ نقل کیا پھر وہ کہے گا میرے استاذ نے یہاں تک کہ صاحب شریعت تک سند پہنچ جائے گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں، وہ وحی سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ سے یوں فرمایا۔ تو ہماری سند حق تعالیٰ تک متصل ہو جائے گی۔ اگر بیچ میں ایک کڑی بھی ختم ہوگئی علم مستند باقی نہیں رہے گا۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں، نہ اسے عالم مستند کہیں گے۔

مثال غیر مستند عالم......اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے مادی وراثت میں جب تک باپ سے نسب ثابت نہ ہو آپ وارث کیسے بنیں گے؟ پہلے آپ یہ ثابت کریں گے۔ یہ فلاں کا بیٹا ہے تو اس کا جو ترکہ ہوگا وہ اس کو ملے گا اور اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکے اور لوگوں نے کہا کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ اس کے بیٹے نہیں۔ معلوم نہیں اس کا باپ کون ہے۔ یہ فرضی طور پر کھڑے ہو گئے۔ وراثت نہیں مل سکتی۔ تو وارثت کے لئے نسب کا ہونا ضروری ہے باپ سے سلسلہ نسب ہو تو کہا جائے گا کہ وارث ہے۔

ٹھیک اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام کی وارثت علم ہے۔ اس کا وارث بھی وہ بنے گا جس کا سلسلۂ نسب روحانی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوا ہو۔ وہاں مادی نسب ضروری ہے، یہاں روحانی نسب ضروری ہے۔ وہاں بغیر مادی نسب کے وراثت نہیں مل سکتی، یہاں بغیر روحانی نسب کے علمی وراثت نہیں ملے گی۔

تو ہم اس علم کو علم کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے پہنچا ہو، جس علم کا ہماری عقل نے

اختراع کیا ہو، سنی سنائی باتیں کہہ رہے ہوں یا کسی ترجمہ میں دیکھ کر کہہ دیں۔ وہ مستند نہیں سمجھی جائیں گی۔ ایسے آدمی کو عالم نہیں کہا جائے گا۔ عالم کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مستند ہو۔ کن اساتذہ سے اس نے علم حاصل کیا ہے؟ اس کا سلسلۂ نسب علم میں کہاں پہنچتا ہے؟ اگر نہیں پہنچتا ہم کہیں گے بھئی! تو بے باپ کا بیٹا ہے۔ اور جو بے باپ کا بیٹا ہے وہ وراثت کا مستحق نہیں ہوتا۔ بہر حال سب سے بڑی چیز سند اور استناد ہے۔

سببِ تبریک...... اسی واسطے محدثینؒ کہتے ہیں "لَوْلَا الْاِسْنَادُ لَبَطَلَ الدِّيْنُ." اگر دین میں اسناد نہ ہوتو دین ہی باطل ہو جائے۔ "لَقَالَ مَنْ شَآءَ مَاشَآءَ." ① "جس کا جو جی چاہے گا کہہ مارے گا"۔

اور کہے گا یہ دین کی بات ہے۔ ہر ایک کو حق ہوگا لیکن جب ہم پوچھیں گے سند کیا ہے؟ کس کے شاگرد ہو؟ وہ کس کے شاگرد ہیں؟ آگے وہ کس کے؟ جب تک اسناد پیش نہ کرے گا اس کے علم کو ہم علم نہیں کہیں گے۔ غرض علم میں سب سے بڑی چیز سند ہے۔

تو آپ کے لئے سب سے بڑی قابل مبارکباد چیز یہ ہے کہ بخاری ختم ہوئی۔ یعنی آپ کو سند حاصل ہوئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک روحانی نسب نامہ مل گیا۔ آپ وہی کہہ رہے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا اور وہی باتیں سمجھا رہے ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سمجھائی تھیں اور صحابہ نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو۔ تو ایک متن حاصل ہوا جس سے علم کا دروازہ کھلا۔ ایک سند حاصل ہوئی جس سے آپ کا علم مستند اور دوسروں کے لئے حجت بنا بغیر سند کے وہ حجت نہ ہوتا۔ اس لئے محدثین نے سند ضروری قرار دی۔

وقعتِ روایت...... اور اس میں بھی ایک درجہ رکھا ہے کہ اس شخص اور اس راوی کی روایت زیادہ وقیع ہے جو اپنے شیخ سے کثیر الصحبت ہو۔ ایک راوی تو وہ ہے کہ اس نے استاذ کی زیارت کی، ملاقات ہوئی۔ ایک حدیث نقل کی اور ایک وہ ہے کہ برس دو برس شیخ کی خدمت میں رہ کر اس نے فن حاصل کیا۔ ظاہر بات ہے جو برس دو برس اپنے شیخ کی خدمت میں رہے گا، اسے قول اور فعل ہی حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اس کے قلب کو وہ رنگ بھی ملے گا جو استاد کے قلب کا رنگ ہے اس تک وہ کیفیات بھی منتقل ہوں گی جو استاد کے قلب میں اوپر سے منتقل ہوتی آ رہی ہیں۔ اس لئے جو راوی کثیر الصحبت ہے اس کی روایت کا جو وقار ہوگا وہ اس راوی کی روایت کا نہیں ہوگا۔ جس کی چند گھنٹے ملاقات ہوئی۔ حدیث سن کر چلا آیا سند ٹھیک ہے۔ مگر سند کے ساتھ وہ کیفیات منتقل نہیں ہوگی۔ جو استاذ کے قلب میں تھیں اور وہ اصل چیز ہیں۔

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ ② "اللہ کا رنگ سب رنگوں پر غالب ہے"۔ اللہ نے وہ رنگ اپنے نبیؐ کے قلب میں ڈالا۔ نبیؐ نے اپنے فیض صحبت سے وہ رنگ صحابہؓ کے قلوب میں ڈالا۔ صحابہؓ نے اپنے

① الصحيح لمسلم، المقدمة، ج: ١ ص: ٣٨. ② پارہ: ١، سورة البقرة، الآية: ١٣٨.

فیضِ صحبت سے وہ رنگ تابعین کے قلوب میں ڈالا۔ انہوں نے تبع تابعین کے، وہ کیفیات، قلب کی صفائی اور ذوق و وجدان کا رنگ بھی درحقیقت منقول ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہم اسی کو صحیح مانیں گے جو اوپر سے منقول ہو۔ یعنی اپنے ذوق کا علاج بھی اپنے استاد سے کرائیں گے تاکہ ہمارا ذوق صحیح ہو جائے۔ اپنے وجدان کو استاذ کے آگے پیش کریں گے کہ ہمارا وجدان صحیح ہے یا غلط؟ تو ذوق بھی وہی ہونا چاہئے، جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ وجدان کا رنگ بھی وہی ہونا چاہئے۔ جو اللہ کے رسول کا ہے۔

ذوقِ صحیح...... یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کے چار فرائض قرآن حکیم میں ذکر کئے گئے ہیں ﴿یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ﴾ ① پہلا کام یہ ہے کہ آپ آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ الفاظ خداوندی پوری امانت کے ساتھ امت کو پہنچا دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہے ﴿یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ﴾ ② کتاب کی تعلیم دیتے ہیں اور تعلیم معانی کا سمجھانا اور مرادات ربانی کا ذکر کرنا ہے۔ اسکے بعد فرمایا:

﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ ③ حکمت بھی سکھلاتے ہیں۔ حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حکمت نظری اور حکمت عملی۔ حکمت نظری تعلیم کے اندر آ گئی۔ باقی حکمت عملی رہ جاتی ہے تو بلاغت کے قاعدے سے اگر ایک لفظ کے دو معنی ہیں اور ایک پہلے لفظ میں آ جائیں۔ تو یہ متعین ہو جاتا ہے کہ اس لفظ کے دوسرے معنی ہیں۔ تو حکمت نظری تعلیم میں آ گئی۔ اس لئے الحکمة میں حکمت عملی مراد ہو گی۔ حکمت عملی سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ عمل بھی دکھلاتے ہیں کہ یہ عمل اس طرح کرو۔ تو لفظوں میں تعبیرات پہنچائیں۔ معنی میں مرادات سمجھائیں حکمت میں عمل کر کے دکھلایا کہ اس نمونہ کا عمل پیش کرو اور چوتھا فریضہ ذکر کیا:

﴿وَیُزَكِّیْهِمْ﴾ ④ آپ دلوں کو مانجھتے بھی ہیں۔ یہ وہی ذوق اور وجدان کا صحیح کرنا ہے کہ قلوب میں سے زیغ نکل جائے۔ ٹیڑھ نکل جائے۔ کجی نکل جائے، استقامت پیدا ہو اور فہم میں اتنی سلامتی آ جائے کہ جو چیز اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی جائے وہ قطعاً دل کے اندر اترتی ہوئی چلی جائے۔ ٹیڑھ باقی نہ رہے۔ غرض سلامتی قلب، ذوق صحیح اور وجدان صحیح یہ تربیت سے حاصل ہوتا ہے۔ تو صحابہؓ کے ساتھ آپؐ نے محنت کی، تاکہ ان کا ذوق درست کریں، کجی باقی نہ رہے۔

اس لئے کہ اگر دل میں کجی رہ جاتی تو دل کی کجی کے ہوتے ہوئے جو آیت بھی سامنے آئے گی، دل اس کے وہی معنی سمجھے گا جو اسکے لئے معنی ہوں گے۔ اگر معاذ اللہ کسی کے دل میں نصرانیت کا جذبہ گھسا ہوا ہو اور وہ نصرانیت کا ذوق لے کر قرآن پڑھے تو اسے ہر آیت سے نصرانیت ٹپکتی ہوئی معلوم ہو گی۔ اگر قادیانیت کا ذوق لے کر آئے تو پورے قرآن سے قادیانیت ٹپکتی ہوئی نظر آئے گی۔

---

① پارہ: ۲۸، سورۃ الجمعۃ، الآیۃ: ۲. ② پارہ: ۲۸، سورۃ الجمعۃ، الآیۃ: ۲.
③ پارہ: ۲۸، سورۃ الجمعۃ، الآیۃ: ۲. ④ پارہ: ۲۸، سورۃ الجمعۃ، الآیۃ: ۲.

اس واسطے کہ قرآن کے جملے بلیغ اور ذی وجوہ ہیں۔ کئی کئی معنی پر ڈھل سکتے ہیں۔ یہ استاذ اور مربی سمجھائے گا کہ یہ مراد ہے اور یہ مراد نہیں۔ اگر تربیت نہ ہو تو کئی معنوں میں سے آدمی اپنے نفس کے مطابق جو معنی سمجھے گا وہ اختیار کرے گا۔ وہ مرادِ نبوی نہیں ہوگی۔ اس کے نفس کی مراد ہوگی۔ اس لئے ذوق کا درست کرنا ضروری ہے۔

غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف قرآن پیش کیا، ایک طرف دلوں کو مانجھ کر کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تشریح کی۔ تو علماً و عملاً و ذوقاً صحابہؓ وہی سمجھ گئے جو آپ کو سمجھانا تھا۔ اگر ذوق صحیح نہ ہو، عمل کا نمونہ سامنے نہ ہو تو مراداتِ ربانی سمجھنے کی کوئی صورت نہیں۔

مرادِ قرآن اور سنت...... یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو جب خوارج سے مناظرہ کرنے بھیجا تو ایک وصیت کی، فرمایا: دیکھو! خوارج کے سامنے قرآن سے دلیل مت پیش کرنا۔ سنت سے دلیل پیش کرنا۔ ابن عباسؓ نے عرض کیا، حضرت! قرآن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دعا دی ہے "اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"① "اے اللہ! ابن عباس کو قرآن کا علم وحکمت نصیب فرما"۔ اور اللہ نے مجھے قرآن کا علم عطا فرمایا ہے اور قرآن ہی میرا موضوع ہے۔ اور اسی سے آپ روک رہے ہیں کہ قرآن سے دلیل پیش نہ کروں۔ سنت سے پیش کروں اس کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا: قرآن کے جملے بلیغ اور ذی وجوہ ہیں کئی کئی معنی پر ڈھل سکتے ہیں۔ تم آیت پڑھ کر ایک معنی سے استدلال کرو گے، مخالف اسی آیت کو دوسرے معنی میں ڈھال کر اپنی دلیل پیش کرے گا، عوام کہیں گے یہ بھی تو قرآن پڑھ رہا ہے۔ حق واضح نہیں ہوگا۔ لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پیش کر دیا۔ اس میں دو معنی نہیں ہو سکتے۔ اس سے مراد متعین ہو جائے گی۔ اس واسطے ضرورت ہے کہ سنت سے استدلال ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قرآن سے من مانی مرادیں نکالنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ بلا کہاں سے نازل ہوگئی۔ اس سے تو ہم وہی معنی لینے پر مجبور ہو گئے۔ جو اللہ کی طرف سے منقول ہوتے آ رہے ہیں اور ہمیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ وہ انکار کر کے حدیث کو بیچ سے ہٹاتے ہیں تاکہ آزادی حاصل کریں اور جو ان کے نفس وعقل میں اختراعی چیزیں آئیں۔ انہیں قرآن کی طرف ٹھونک دیں ظاہر ہے کہ اس طرح قرآن کی مراد نہیں ہوگی۔ ان کے نفس کی مراد ہوگی۔

کلام میں لب ولہجہ کا دخل...... اس واسطے کہ قرآن کی مراد سمجھانے میں لب ولہجہ کا بھی دخل ہے، کلام کی خصوصیات کا بھی دخل ہے، ماحول کا بھی دخل ہے جب ساری چیزیں قطع ہو جائیں تو مراد کیسے متعین ہوگی؟ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ ہماری اردو کا ایک جملہ ہے" کیا بات ہے، اسکے کئی معانی آتے ہیں اور لب لہجہ سے معنی بدل

---

① الصحیح للبخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ اللھم علمه الکتاب...... ج: ۱ ص: ۱۴۱ رقم: ۷۵.

جاتے ہیں اگر میں یوں کہوں کیا بات ہے؟ آپ سمجھیں گے کہ میں سوال کر رہا ہوں کہ بھئی! کیا معاملہ ہوا ہے؟ کیا واقعہ پیش آیا؟ اور اگر میں لہجہ بدل کر یوں کہوں کیا بات ہے۔ اب کیا سمجھے؟ قطعاً سوال نہیں سمجھے، بلکہ آپ سمجھے کہ میں کسی شئے کی بڑائی بیان کر رہا ہوں کہ فلاں چیز کی کیا بات ہے۔ وہ تو بہت ہی بڑی ہے۔ اور اگر میں لب ولہجہ بدل دوں اور کہوں کیا بات ہے۔ اب آپ کیا سمجھے؟ اب نہ بڑائی سمجھے نہ سوال بلکہ تحقیر سمجھے کہ میں نے کسی شی کی حقارت بیان کی اور اگر پھر لب ولہجہ بدل کر اسی جملہ کو یوں ادا کروں کیا بات ہے۔ اب آپ یہ سمجھے کہ میں نے تعجب کا اظہار کیا ہے۔ نہ بڑائی بیان کی نہ تحقیر نہ استفہام وسوال۔ تو ایک ہی جملہ ہے ''کیا بات ہے'' اور اس کے چند معنی ہیں اور سب معانی لب ولہجہ سے متعین ہوتے ہیں۔

فرض کیجئے آپ اگر یہ جملہ خط میں لکھ کر بھیج دیں تو لب ولہجہ تو خط میں نہیں آئے گا۔ تو وہ اس جملہ سے وہی معنی سمجھے گا جو خیال اس کے نفس پر غالب ہوگا۔ لیکن اگر آپ بالمشافہ سامنے بٹھلا کر لب ولہجہ سے (یا کلام دے کر کسی شخصیت و پیامبر کے ذریعہ) سمجھائیں گے تو مخاطب وہی معنی سمجھے گا جو آپ کی مراد ہے۔ لیکن اگر خط میں لکھ کر بھیجیں گے تو وہ وہی معنی سمجھے گا جو اس کے نفس پر کیفیت غالب ہوگی۔ گویا وہ اس جملے کے جو معنی سمجھے گا وہ (لفظ آپ کے ہوں گے) مراد اس کی اپنی ہوگی لکھنے والے کی مراد نہیں ہوگی۔

ٹھیک اسی طرح قرآن حکیم اور حدیث نبوی کو سمجھ لیں بہت سے معنی ہوتے ہیں جو لب ولہجہ اور ماحول سے متعین ہوتے ہیں اور بہت سے معنی ہیں جو اسباب نزول سے متعین ہوتے ہیں۔ اگر ان سب امور کو قطع کر کے محض الفاظ کو سامنے رکھا جائے تو ہر شخص اس سے وہی سمجھے گا جو اس کے نفس پر کیفیت غالب ہوگی اور ایسا کرنے سے بہت سے نقصانات وجود میں آئیں گے۔ بہت سے بدبخت ایسے بھی ہیں جو تلبیس کر کے دنیا کو دھوکہ دیں گے کہ یہ اللہ اور رسول کی مراد ہے۔ حالانکہ اللہ اور رسول کی مراد نہیں، اس کی اپنی مراد ہے۔ لفظ اللہ کے لئے اور معنی اپنے بھر دیئے۔

لیکن اگر سند آ گئی، بیان رسول آ گیا، وراثتی معنی آ گئے جو صحابہؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور مع کیفیات کے بیان کئے تو شی متعین ہو جائے گی اور ایسی صورت میں میں کسی کو دخل دینے کی مجال نہیں ہوگی۔ غرض جو بھی چاہے گا کہ میں قرآن میں من مانی مرادات کو داخل کروں وہ حدیث اور کلام سلف سے انکار کرے گا۔ وہ ان کے مفہوم کی حجیت کا انکار کرے گا تا کہ دنیا کے اندر اس کی حجیت قائم ہو۔ ہم کہتے ہیں دین وہ ہے جو سلسلے وار مرتب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مسلسل مل جائے۔ لفظ معنی اور کیفیت وحال بھی اور عوارض وواقعات اور احوال کے لحاظ سے بھی۔

ضرورت نبوّت...... آج وہ طلباء جنہوں نے بخاری شریف ختم کی ہے قابل مبارکباد ہیں۔ پہلی بات قابل مبارکباد یہ ہے کہ سات ہزار احادیث کے قریب متون ان کو حاصل ہوئے۔ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہیں اور کلام رسول کی عظمت وہی ہے جو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جیسے اللہ

تک بندہ نہیں پہنچ سکتا جب تک بیچ میں رسول کا واسطہ نہ ہو۔اس لئے کہ وہ نور مطلق ہیں اور بندہ ظلمت محض ہے۔ نور، ظلمت کے ساتھ نہیں جمع ہوسکتا۔تو اللہ نے ایک برزخی مخلوق پیدا فرمائی کہ وہ بشر بھی ہیں۔مگر اتنے کامل بشر کہ لطافتوں میں اللہ سے واصل ہیں۔وہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔تو بندوں کے خدا تک پہنچنے کے لئے نبی واسطہ ہیں۔ نبی نہ ہو تو بندہ کا پہنچنا ممکن نہیں۔اسی طرح اللہ کا کلام اتنی عظمت وجلالت میں ہے کہ بندہ کا فہم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔تو کلام رسول بیچ میں برزخ ہے کہ اس واسطے سے ہم کلام خداوندی تک پہنچیں گے۔

اگر کوئی کلام رسول کا واسطہ بیچ میں سے نکال دے اور چاہے کہ چھلانگ مار کر اللہ کے کلام تک پہنچ جائے تو وہ نیچے آ پڑے گا اور وہاں تک نہیں پہنچ سکے گا۔اس لئے کہ وہ کلام بہت اونچائی پر ہے، جیسے ذات خداوندی تک پہنچنا بغیر ذوات رسل کے ممکن نہیں ایسے ہی کلام ربانی کے حقائق تک پہنچنا ممکن نہیں ورنہ پھر نبی کو بھیجنے کی ضرورت کیا تھی؟۔حضرت جبریل علیہ السلام قرآن شریف لکھ کر بیت اللہ شریف کی چھت پر رکھ دیتے اور ایک آواز لگا دیتے۔اے لوگو!تم سب مریضان نفوس ہو اور یہ نسخہ شفا ہے اسے لے جاؤ اور اپنا اپنا علاج کرلیا کرو۔پیغمبر کے آنے کی ضرورت نہ تھی مگر پیغمبر بھیجا گیا۔جیسے محض طب کی کتابوں کا مطالعہ کر کے نہ اپنا علاج کرسکتا ہے نہ غیر کا۔کیونکہ کتاب میں اصول بیان ہوں گے۔لیکن نبض پہچان کر کہ فلاں کو کیا روگ ہے؟ فلاں کا مزاج کیسا ہے؟ اس کے لئے تجربہ وتربیت کی ضرورت ہے اور کتاب کے اوراق تربیت کرتے نہیں۔تربیت کرنے والی شخصیتیں ہوتی ہیں۔ اگر شخصیتوں سے قطع نظر کرلیا جائے اور محض کتاب کے اوراق رہ جائیں تو کالے کالے نقوش تو سامنے آئیں گے۔ تربیت اور کیفیات سامنے نہ آئیں گی۔اسی لئے اللہ کے کلام تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کلام رسول کی ضرورت ہے۔اس کے بغیر ہم نہیں پہنچ سکتے۔جو آج خوشی کا مقام ہے کہ کلام رسول آپ تک پہنچا،اور بڑی خوشی ہے کہ سند کے ساتھ پہنچا،محض قوت مطالعہ یا کتب بینی سے یا اختراع نفس سے نہیں پہنچا کہ اس میں نفس کا بھی دخل ہوتا ہے،شیطان کا بھی دخل ہوتا ہے۔اور بڑی خوشی ہے کہ سند کے ساتھ پہنچا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سلسلہ جڑ گیا۔تو وہ طلبہ خوش نصیب ہیں جنہیں آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہوگئی اور ان کا قلب گویا قلب نبوت سے بواسطہ کلام نبوت واصل ہوگیا۔

امت محمدیہ کی سب سے بڑی عظمت......اس امت کی سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ اس امت میں اللہ کا کلام مستند طریق پر موجود ہے۔آج قرآن کے بارے میں اگر کوئی دعوی کرے کہ اس کی سند کیا ہے تو امت کے علماء اپنی جگہ ہیں میں یہ کہوں گا کہ میری سند حق تعالی سے متصل ہے۔مجھے یہ قرآن میرے استاذ قاری عبدالوحید خان صاحب نے حفظ کرایا،ان کو قاری عبدالرحمن نے حفظ کرایا اور قرات سکھلائی،انہیں قاری عبداللہ صاحب مکی نے حفظ کرایا اور قرات سکھلائی اور انہیں ابراہیم نے سکھلائی اور سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جبریل علیہ السلام نے پڑھا

اور جبریلؑ کے سامنے حق تعالیٰ شانہ نے تکلم فرمایا، تو حافظ کی سند حق تعالیٰ شانہ تک پہنچ جاتی ہے۔

دنیا میں آج کون سی کتاب ہے جو سند متصل کے ساتھ اللہ تک پہنچے جس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جا رہا ہو کہ یہ الہامی کتاب ہے تورات، انجیل یا زبور ہے کسی کی سند نہیں ہے۔ بس ایک ہی سند ہے کہ: ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ ① "باپ دادا کو یوں ہی کہتے سنتے چلے آتے ہیں"۔ ممکن ہے باپ دادا نے غلطی کی ہو۔ جب تک سند سامنے نہ ہو غلطی کا امکان ہے لیکن اگر سند سامنے ہے تو غلطی کا امکان نہیں ہے۔

فن اسماء الرجال......اور مسلمانوں نے یہی نہیں کیا کہ سند لے لی۔ نہیں، بلکہ روایان حدیث کے لئے ایک مستقل فن ایجاد کیا۔ اور پچاس ہزار ایسے آدمیوں کی سوانح عمریاں مرتب کیں جو حدیث کی روایت کرنے والے ہیں۔ ان کے نسب نامے کیا تھے؟ ان کا کیریکٹر کیا تھا؟ ان کا کردار کیا تھا؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ ان کا عدل و انصاف کیسا تھا؟ انکے قلب کے اخلاق کیسے تھے؟ پچاس ہزار آدمیوں کی سوانح عمریاں (فن اسماء الرجال) مرتب کر دیں۔ تو وہ کسوٹی ہے کہ دیکھ کر معلوم کر لیں کہ یہ راوی ہیں جن کے واسطے سے کتاب مبین ہم تک پہنچی ہے۔

غرض مسلمان اگر اللہ کا کلام اور اللہ کے رسول کا کلام لئے بیٹھے ہیں تو اس بھروسے پر نہیں کہ باپ دادا سے یوں ہی سنتے چلے آ رہے ہیں۔ ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ ② چاہے باپ دادا نے غلطی کی ہو، چاہے عقل نہ لڑائی ہو، پھر بھی تم یہی کہو گے کہ باپ دادا سے سنتے چلے آئے ہیں۔ یہ کوئی سند کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو افواہ ہے۔ افواہاً کوئی چیز معتبر نہیں ہو سکتی۔ سند یہ ہے کہ میں نے فلاں سے پڑھا اور اس نے فلاں سے پڑھا اور اسی طور پر اس کی اللہ کے رسول تک انتہاء ہو جائے۔

دین کے ہر ہر جز کی سند......تو مسلمانوں کے پاس ایک ایک حدیث کی سند موجود ہے۔ اگر چھوٹا جملہ بھی پڑھیں گے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک سند پہنچائیں گے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں استناد کی عادت پڑ گئی، وہ محض قرآن و حدیث نقل نہیں کرتے، بلکہ کوئی دینی فن نہیں کہ جس کی سند نہ ہو۔ آپ ہدایہ پڑھائیں گے، اس کی سند موجود ہے کہ صاحب ہدایہ سے ہمارے استاذوں نے اس اس طرح حاصل کیا۔ حتیٰ کہ تصوف کے اندر عرفاء حقیقت اور حضرات صوفیہ نے بھی سند کیساتھ۔

شیخ ابو اسحاق کا رسالہ قشیریہ ہے۔ اس میں حضرت جنید اور حضرت شبلی کے واقعات بھی نقل کئے ہیں اور سندیں بھی نقل کی ہیں تصوف کے اصول نقل کئے ہیں تو سندیں نقل کی ہیں۔ تصوف کا یہ واقعہ جنید یا شبلی سے یا سید الطائفہ سے فلاں سند کے ساتھ ہمیں پہنچا ہے۔

اور اس میں پھر آگے قرآن و حدیث سے ماخذ پیش کیا ہے کہ انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے اخذ کیا ہے۔ تو تصوف کی سندیں الگ موجود ہیں، فقہ کی الگ، حدیث کی الگ۔ اور قرآن کی سند تو تواتر طبقات

① پارہ: ۲۵ سورۃ الزخرف، الآیۃ: ۲۲۔ ② پارہ: ۲ سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۱۷۰۔

کے ساتھ ہے تو کوئی دینی فن یا دینی مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ مسلمان یہ کہہ کے نقل کریں کہ ہم باپ دادا سے یونہی سنتے چلے آرہے ہیں بلکہ وہ کہیں گے کہ میں نے فلاں استاذ سے پڑھا وہ اپنے استاذ کا حوالہ دے گا، وہ اپنے استاذ کا تو یہ کسوٹی ہے جس کے ہاتھ میں سند نہ ہو آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا علم مستند نہیں، ماننے کے قابل نہیں۔ اس کی بات مانی جائے گی جو سند متصل سے بات کرے۔

تو آج ان طلباء کے لئے مبارکباد دینے کا وقت ہے جنہیں متن حدیث حاصل ہوا اور سند متصل کے ساتھ ہوا اس واسطے میں ان طلبہ کو بھی مبارکباد دیتا ہے۔ اور ان کے ساتھ ان کے اساتذہ کو بھی مبارکباد دیتا ہوں مدرسہ کے معاونین اور منتظمین کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کی محنتوں کا پھل ان کے سامنے آ گیا اور سند کے ساتھ چند علماء تیار ہوگئے۔

مراتب علماء...... یہ ظاہر ہے کہ علماء سب ایک درجہ کے نہیں ہوتے کوئی اعلیٰ فہم رکھتا ہے کوئی متوسط درجے کا۔ ﴿فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾. تو ایک درجے کے سارے نہیں ہوتے۔ بعض دقیق الفہم ہوتے ہیں۔ بعض بلید الفہم ہوتے ہیں، بعض غبی بھی ہوتے ہیں مگر خیر دیندار تو بن جاتے ہیں۔ ان کی عبادت اگر علم تک نہ پہنچا سکے تو کم سے کم ان کا عمل صحیح ہی قائم ہو جاتا ہے۔ بہر حال علماء ایک درجے کے نہیں ہوتے۔ مگر سب کے ساتھ حسن ظن رکھنا ضروری ہے جب کہ وہ سند کے ساتھ روایت کریں اور انہیں سند کے ساتھ علم حاصل ہوا ہو تو ہم سب کا فرض ہے کہ انکے ساتھ حسن ظن رکھیں۔ ان کی عظمت کریں۔ وہ عظمت ان کی ذات کی نہیں ہوتی۔ ذات تو گوشت پوست سے بنی ہوئی ہے وہ ہمارے اندر بھی موجود ہے، اس کی کیا عظمت ہے؟

وہ عظمت علم کی ہوتی ہے اور ان کے اندر اللہ اور اللہ کے رسول کے پاس سے علم آیا ہوا ہوتا ہے۔ اس واسطے علم کی اور اس نسبت اور سند کی تعظیم کی جاتی ہے۔ جو انہیں حاصل ہوئی ہوتی ہے۔ تو یہ سب طلباء اور علماء جو تیار ہوئے ہیں، ہم سب کے لئے مستحق اور مستوجب تعظیم و عظمت اور وقار کے ہیں۔ "لِوَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اور "لِوَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى" کہ انہیں حق تعالیٰ سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہوگئی ہے اس لئے ہم انکی عظمت کریں گے، کسی عالم کی تحقیر کسی طرح بھی جائز نہیں اس کی تحقیر سے علم کی تحقیر ہوتی ہے اور علم اللہ اور اللہ کے رسول کا ہے اس کی تحقیر ہمارے لئے کب جائز ہے؟ تو مستند عالم واجب التعظیم اور واجب التکریم ہے۔ اس واسطے ان دونوں کو عظمت دی جائے گی اور ان کو مبارکباد دی جائے گی۔ تو میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

اجازت حدیث...... اور چونکہ ختم کے لئے اپنی عنایت اور مہربانی سے انہوں نے مجھے بلایا اور اس سعادت میں شریک کیا کہ میں ختم کراؤں۔ اس لئے ضرورت پڑی کہ میں اپنی سند پیش کر کے اس سند کی اجازت انہیں دوں جن طلبہ نے میرے سامنے حدیث پڑھی۔

میرا سلسلہ ایک یہ ہے حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اور وہ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

شاگرد ہیں اور شاہ عبدالغنی صاحب، رحمۃ اللہ علیہ شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور شاہ محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں (اس سے آگے سلسلہ سند ترمذی شریف میں مرقوم ہے) اور دوسرا سلسلہ سند یہ ہے کہ بندہ کو مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارن پوری نے اور ان کو مولانا عبدالقیوم صاحب بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان کو شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ الی آخر سند نے اجازت فرمائی۔ ہر دو سلسلہ سند سے میں ان طلباء کرام کو اجازت حدیث دیتا ہوں۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ